© rasailojaraid.com

عالمگیر دنیا کے لیے عالمگیر اخلاقیات

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

تلخیص

اس مقالہ میں عالمگیریت کے حوالے سے یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ آج جب دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے اور ہر شعبہ میں خواہ وہ معیشت ہو یا ابلاغ عامہ اور تعلیم یا کچھ اور عالمی معیارات اور عالمی ضروریات کے پیش نظر تبدیلیاں تجویز کی جارہی ہیں، کیا مغربی اور مشرقی اخلاقی تصورات، جن کا ماخذ مشرقی یا مغربی معاشرت کو قرار دیا جاتا ہے، اس نئے تناظر میں انسان کے اخلاقی مسائل کا حل پیش کر سکتے ہیں اور کیا زمان و مکان کے اس نئے تصور کے پیش نظر ایک ''عالمی اخلاقی روایت'' کی ضرورت نہیں ہے جو مشرق و مغرب کی قید سے آزاد ہو اور دنیا کے کسی بھی گوشہ میں اپنی عملیت ، عالمگیریت اور جامعیت کی بنا پر بہ آسانی اختیار اور نافذ کی جاسکے۔ مقالہ معروف مغربی اور مشرقی اخلاقی تصور کا رد کرتے ہوئے اسلامی اخلاقی اقدار کی عالمگیریت، جامعیت اور عملیت کی بنا پر ایک نئے زاویہ سے ان اقدار کو عالمگیریت کے تناظر میں پیش کرتا ہے۔

انگریزی زبان میں فوبیا سے مراد کسی چیز کا سر پر سوار ہو جانا یا کسی خاص چیز یا صورتِ حال کے شدید خوف کا طاری ہو جانا ہے مثلاً کُتّے کا فوبیا، اسکول کا فوبیا، سمندر کا فوبیا۔ جو فرد اِس کیفیت کا شکار ہوتا ہے وہ غیر شعوری طور پر خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے چنانچہ کتا فوبیا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کتے کا نام سن کر ہی وہ دبک جاتا ہے یا اسکول کے نام سے ہی پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ فوبیا کا تعلق زیادہ تر کسی بھی نفسیاتی کیفیت سے جوڑا جاتا ہے مگر عام طور پر یہ انتہائی خوف یا ذہنی اثر زدگی (Obsession) کی حالتوں سے متعلق سمجھا جاتا ہے جس کا نتیجہ پراسرار اضطراری رویے کی صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ظاہر ہوتا ہے۔[1] اسلاموفوبیا یا اسلام کا خوف، ایک ایسی نازیبا اصطلاح ہے جو ۹/۱۱ کے بعد کے عرصے میں بڑی کثرت سے استعمال ہوتی رہی ہے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ایک ایسے حقارت پسند مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے جو انہیں متشدد، کم تہذیب یافتہ، غیر عقلی، رجعت پسند، تخریبی اور دہشت گرد کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اسلام کو خبروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک ایسے عقیدے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو ان تمام چیزوں کا احاطہ کرتا ہے جو مغرب کے اخلاقی نظام سے متصادم ہوں یا اس کی نفی کرتی ہوں یا ان چیزوں کو مسلّط کرنا چاہتا ہو جو مغربی تہذیب یا اس کی معقولیت کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔[2] مغربی سیاست دانوں، صحافیوں اور حکمت عملی وضع کرنے والے اداروں (تھنک ٹینکس) کا یہ نظریاتی اور نفسیاتی مسئلہ حال ہی میں شروع نہیں ہوا، صدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو مغرب کا مخالف، دشمن اور اس کا رقیب سمجھا جاتا رہا ہے۔ کم از کم، پچھلی دو صدیوں سے مسلم دنیا اور مغرب کے مابین سیاسی، عقلی اور تہذیبی میدانوں میں آمنا سامنا رہا ہے۔ اور عموماً اس مڈ بھیڑ میں مغرب کی حیثیت جارحانہ اور مسلم دنیا کی مدافعانہ رہی ہے۔ اس عرصہ میں مغرب میں سرمایہ دارانہ معیشت کے فروغ، لادین سیاسی نظام اور لبرل علمی روایت کی موجودگی کے باعث مغربی سامراجیت نے اپنے سیاسی، معاشی اور تہذیبی نوآبادیاتی نظام کے پنجے مسلم دنیا میں گاڑ دیے۔ اس کی ایک علامت یہ تھی کہ نوآبادکاروں کی سرکاری اور تجارتی زبان نے مقامی زبانوں کی جگہ لے لی۔ نتیجتاً کچھ مسلم علاقوں (الجیریا، تیونس، مراکش) میں عملاً فرانسیسی زبان ان کی اولین اور عربی ثانوی زبان بن گئی۔ برصغیر پاک و ہند، سوڈان، ملائیشیا، جنوبی افریقہ اور نائیجیریا، جہاں بھی برطانوی سامراج نے حکومت کی، انگریزی سرکاری زبان بن گئی۔ اسی طرح انڈونیشیا میں، ڈچ زبان مقبولیت پا گئی۔ ایک غیر ملکی زبان کو اپنانے سے مسلمان عوام پر اس کے سماجی اور تہذیبی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اسی اثناء میں حاکم اور محکوم کے تعلقات نے غیر ملکی حاکموں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے زیرِ قبضہ محکوموں کے اذہان کو سمجھیں اور انہیں محکوم بنائے رکھنے کے لیے ضروری اقدامات کریں۔ رعایا کو سمجھنے اور قابو میں رکھنے کے لیے سامراجیت پسندوں نے مقامی زبانوں اور تہذیب کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس امر نے برطانوی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرانسیسی، اطالوی اور ڈچ لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ مشرق کے مطالعہ کے لیے علوم کے مراکز کھولیں جس میں مقامی باشندوں کی زبان اور تہذیب کو مطالعے کا موضوع بنایا جائے۔ انہوں نے مقامی پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ایک ایسی نسل کی بھی تربیت کی جو مغربی ذہنیت، تحقیق کے طریقۂ کار اور اس کے بنیادی مفروضوں کی بنیاد پر مقامی تہذیب و اخلاق میں مغربی اثرات کو سمو سکے۔

تمام معلوم تہذیبوں کے اچھائی اور برائی کے اپنے معیار اور تصورات پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جنہیں ''غیر مہذب'' اور اجڈ سمجھا جاتا ہے وہ بھی اپنی مخصوص اخلاقیات اور اقدار پر یقین رکھتے ہیں۔ عموماً وہ اپنے بڑوں کی عزت کرتے اور چھوٹوں سے پیار کرتے ہیں، وہ دیانت داری کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور دھوکہ دہی کو ناپسند کرتے ہیں۔ روایتی طور پر، مقامی رسوم و رواج پر مسلسل عمل درآمد ہونے سے یہ طرزِ عمل ایک معیار اور قانون بن جاتے ہیں۔ یہ اخلاقی اصول یا قوانین ان کے لیے اس امر کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کون سا طرزِ عمل اچھا ہے اور کون سا بُرا۔ جب کسی اخلاقی رویے کو ایک فرض یا ذمہ داری کا مقام حاصل ہو جائے تو اسے اخلاقیات یا علم الاخلاق کہا جاتا ہے۔ مزید برآں اچھے یا بُرے کا تعین کرتے وقت ایک شخص معروضی (Objective) یا غیر معروضی (Subjective) اسلوب اختیار سکتا ہے۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ اچھے یا بُرے کو قدرتی اشیاء کی طرح جانا جاسکتا ہے یا اچھے اور بُرے کی مشاہدے اور عملی تجربے کی بنیاد پر تصدیق کی جاسکتی ہے، وہ فطری اخلاقیات کے پیروکار (Ethical Naturalist) کہلاتے ہیں جب کہ وہ لوگ جن کا خیال ہو کہ اچھائی اور برائی کا تعلق جذباتی کیفیت سے ہے، یا ایک گروہ کے رویّے کا معاملہ جذبات پر مبنی رائے سے ہے انہیں (Emotivist) کہا جاتا ہے۔ جو لوگ جذباتی یا ارادتاً کیے جانے والے اعمال کی بنا پر اچھے یا برے کا فیصلہ کرنے کے خلاف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ درحقیقت کسی گروہ کے رویے، کسی عمل کے اخلاقی یا غیر اخلاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، انہیں اخلاقی اضافیت یا غیر مطلق اخلاقیات کا قائل (Ethical Relativist) کہا جاتا ہے۔

اخلاقیات یا Ethics (جسے یونانی زبان میں ethickos کہا جاتا ہے اور یہ ethos

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں رواج یا استعمال) ایک تکنیکی اصطلاح کے طور پر اخلاق یا کردار کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ Moralis کا لفظ سسرو (Cicero) نے استعمال کیا تھا جو اسے ارسطو (Aristotle) کی اصطلاح ethikos کا ہم معنی سمجھتا تھا اور ان دونوں سے مراد عملی سرگرمی ہے۔[۳] عام طور پر اخلاقی رویے سے مراد اچھا طرزِ عمل ہے جس میں غلط اور درست، اچھے اور برے یا نیکی اور برائی کی تمیز کی جاتی ہو۔ فلسفی حضرات اخلاقیات کی کئی طرح سے درجہ بندی کرتے ہیں مثال کے طور پر معیاری اخلاقیات (Normative ethics) ''اخلاقی ضوابط کا وہ نظام فراہم کرتی ہے جو اچھے اور برے، صحیح اور غلط سے متعلق فیصلہ سازی میں رہنمائی کرتے ہیں۔......''[۴]

اخلاق یا Ethics کی اصطلاح کے متعلق ان بنیادی مشاہدات کے بعد ہم مختصراً علمی اقدار (Ontology) اور انسان و کائنات کے مقصدِ وجود یا انتہائی غایت کے نقطۂ نظر سے اخلاقی رویہ کے تعین کی طرف آتے ہیں۔ علمی اقدار انسان کے اخلاقی رویہ میں منعکس ہوتی ہیں اور یہ رویہ مطالبہ کرتا ہے کہ کسی بھی عمل کا حتمی مقصد اور نصب العین اچھائی (good) کا حصول ہونا چاہیے۔ مروجہ مشرقی اور مغربی اخلاقی سوچ، کسی بھی اخلاقی عمل کے جواز اور مشروعیت کے لیے سماجی طور پر متفق ہونے کو اس کے درست ہونے کے لیے کافی سمجھتی ہے۔ اگرچہ کچھ اخلاقی اقدار عالمگیریت کی حامل ہوتی ہیں مثلاً سچائی۔ مگر سوال یہ ہے کہ سچائی ہے کیا؟ کیا سچ صرف سچ بولنے کی خاطر بولا جائے یا کسی ذاتی نقصان سے بچنے کی خاطر یا معاشرے کی اجتماعی بھلائی کے لیے؟ ان بنیادی سوالات کے جوابات میں، تہذیبی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ خصوصاً یہ فیصلہ کرنا کہ کون سچائی کے بارے میں طے کرے گا کہ وہ واقعی سچ ہے، مبالغہ یا دکھاوا نہیں ہے۔

اہلِ مغرب کے ہاں بشپ جوزف بٹلر (۱۶۹۲ء-۱۷۵۲ء) کا خیال تھا کہ ایک انسان کا ضمیر اخلاقی فیصلہ کرتا ہے بشرطیکہ اسے نہ تو آلودہ کیا گیا ہو نہ بگاڑا گیا ہو اور نہ اسے وجدانی طور پر منتشر کیا گیا ہو۔ ایمانیوئل کانٹ (۱۷۲۴ء-۱۸۰۴ء) قانون کو اخلاقیات کی بنیاد سمجھنے کے حوالے سے معروف ہے۔ چنانچہ اس کے لیے اخلاقی رویہ ایک قطعی حکم کا نام ہے۔ جیریمی بینتھم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۷۴۸ء-۱۸۳۲ء) لوگوں کی کثیر ترین جمعیت کی بلند ترین اچھائی کو اخلاق کا منتہا سمجھتا تھا۔ ہربرٹ سپنسر (۱۸۲۰ء-۱۹۰۳ء) نے تدریجی افادیت پسندی کا تصور پیش کیا۔ ایڈورڈ۔اے۔ویسٹرمارک (۱۸۶۲ء-۱۹۳۹ء) نے اخلاقی اضافیت (یا غیر مطلق اخلاقیات) کی وکالت کی چنانچہ اس نے اخلاقی نظاموں کو سماجی حالات کا عکاس سمجھا۔ جب کہ ولیم اوکھم (۱۲۹۰ء-۱۳۴۹ء) نے اخلاقیات کے متعلق کہا کہ اس کی اصل خدا کے ارادے کے مطابق مذہبی ہے۔ جہاں خدائی احکامات یہ بتاتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

مشرق و مغرب میں مٹھی بھر مذہبی علماء اور فلسفیوں کے سوا وجدان (Intuition)، اجتماعی بھلائی (Collective Good) یا سماجی حالات (Social Norms) کو کسی عمل کے اچھے اور اخلاقی یا برے اور غیر اخلاقی ہونے کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چند تصورات مثلاً عدل، رحمدلی اور دیانت داری مغرب میں بھی بنیادی اخلاقی اصول سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن ان کا مفہوم مغرب کے سماجی پس منظر کی روشنی میں متعین کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی اخلاقیات کا جواز الہامی ہدایت یا وحی پر ہے۔ قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہدایت فراہم کرتے ہیں کہ اچھائی کیا ہے اور برائی کیا ہے۔ یہ عالمگیر اخلاقی اصول زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں اور کسی قوم، مذہب یا رنگ و نسل میں محدود نہیں ہیں۔ مزید برآں یہ عالمگیر اصول اس بات کا تعین اور وضاحت بھی کرتے ہیں کہ کس چیز کی اجازت ہے (حلال) کیا پسندیدہ (مباح) ہے اور کیا برا ہے جس کی اجازت نہیں ہے (حرام) اور یہ بھی کہ کیا ناپسندیدہ ہے (مکروہ)۔

اسلامی نظام اخلاق میں دو جامع اصطلاحات حلال اور حرام انسانی زندگی کے ان تمام ممکنہ پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں جہاں انسان کو اخلاقی فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یوں اخلاقی یا غیر اخلاقی طرزِ عمل کا فیصلہ ان دو اصطلاحات کے وسیع تر اطلاق کے ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ اخلاقی حدود (یا شرعی ضوابط) ان چیزوں کی نشاندہی کے لیے بنائی گئی ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ مباح کے زیادہ تر احکام ان چیزوں سے متعلق ہیں جہاں عمومی عالمگیر الہامی قوانین- مقاصد شریعت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفرادی اور اجتماعی عقلیت، اصولی اور قیاسی استدلال (اجتہاد) کے ذریعے، پیش آمدہ روزمرہ اور اخلاقی مسائل کے متعلق فیصلہ کرنے اور نئے حل تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشرقی اور مغربی اخلاقی فلسفے اور اسلام کے اخلاقی نظام کے درمیان بنیادی فرق کو ایک سادہ سی شکل کے ذریعے واضح کیا جاسکتا ہے۔

مشرق ومغرب میں اخلاقی اقدار کا ارتقاء

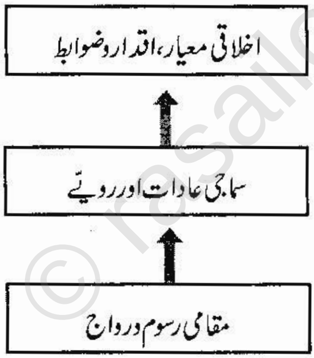

سماجی اعتبار سے ماہرین انسانیات (Anthropologists) اور تہذیبوں کے تاریخ دان (Historians of Civilizations) لوگوں کی اخلاقی اقدار وضوابط کا اندازہ ان کے روایتی ماحول اور رسوم ورواج سے لگاتے ہیں۔ چنانچہ زمان ومکان کی تبدیلی اور ارتقاء کے ساتھ، معیار واخلاق میں ارتقائی تبدیلی اور بعض اوقات انقلابی تبدیلی ہو جاتی ہے گویا وقت اور معاشرتی ارتقاء کے ساتھ اخلاقی ضابطے، اصول اور قواعد بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ قبل از صنعتی معاشرے کے اطوار واخلاق اور مابعد جدیدیت کے معاشرے کے اطوار واخلاق ایک جیسے ہوں گے۔ جو لوگ سماجی، معاشی اور سیاسی ارتقاء سے گزرتے ہیں تو ان کے اخلاقی نظام میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے اطوار واخلاق اور سماجی ومعاشی تبدیلیوں کو ایک دوسرے سے مربوط و متعلق سمجھا جاتا ہے چنانچہ مغربی ومشرقی ماہرین سماجیات، علوم عمران اور تہذیبی مورخین کے نزدیک سچائی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوبصورتی اور عدل وانصاف ہمہ گیر تصورات نہیں ہیں بلکہ ماحول کی تبدیلی اور ارتقاء کے مرہونِ منت ہیں۔ انسان کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ان چیزوں کے مطابق اپنا رویہ بناتا اور طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔

اسلام میں اخلاق کا ماخذ

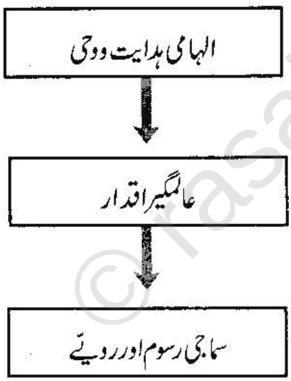

اسلامی اخلاقیات وجدان، عقلیت، رسوم و رواج کا کردار اس وقت تک تسلیم کرتی ہے جب تک وہ الہامی قوانین اور شریعت کے تابع ہوں۔ شرعی قوانین سے متصادم کوئی بھی رسم ورواج، سماجی، معاشی، سیاسی، قانونی یا تہذیبی پالیسیوں اور طرزِ عمل کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ سماجی ارتقاء اور ترقی شریعت کے تابع ہے۔ الہامی قانون سازی (لغوی معنی کے اعتبار سے شریعت) نہ تو سماجی ارتقاء کی پیداوار ہے اور نہ ہی کسی خاص مقام، افراد، معاشرے یا تاریخی حوالے سے وابستہ ہے۔ اس کے قوانین ہر جگہ اور تمام انسانی حالتوں میں قابلِ عمل ہیں۔ اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی فکر کے بارے میں مستشرقین اور ان کے زیرِ اثر بعض مسلمان اہلِ علم بھی اس غلط فہمی کا شکار رہے ہیں کہ اسلامی اقدار، تہذیب وقانون عرب جاہلیہ کے رسوم ورواج کی پیداوار ہے۔ اس فکر کا ماخذ وہی تصور ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ اقدار مقامی معاشرہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلامی تصور اس کی ضِد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے یعنی الہامی اقدار معاشرہ کو تخلیق کرتی ہیں۔

اسلامی اخلاقیات کی بنیاد شریعت کے الہامی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:

زندگی کی وحدانیت:

پہلا اور اہم ترین اصول زندگی میں ہم آہنگی، ارتباط اور وحدانیت (توحید) ہے۔ سادہ الفاظ میں توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسانی رویہ منظم اور یکساں ہونا چاہیے۔ یہ تضاد پر مبنی اور غیر منظم نہیں ہونا چاہیے۔ اگر انسانی زندگی کا احترام کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے تو اس اصول کا اطلاق اس وقت بھی ہونا چاہیے جب انسان خواہ اپنے دوستوں سے معاملات کر رہا ہو یا دشمنوں سے۔ عدل، سچائی اور شکر گزاری وقت اور حالات کے لحاظ سے اپنے معنی تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ ان کے دو معیار ہو سکتے ہیں۔ اگر ایک انسان یہ اعلان کرتا ہے کہ کائنات میں حتمی یا مطلق اختیار اللہ کا ہے، تو اللہ کے احکامات و ہدایات پر صرف رمضان کے مہینے میں، مسجد میں یا کعبہ کی حدود کے اندر ہی عمل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اگر ایک شخص دنیا کے دور دراز کونے میں بھی ہے تو اسے اپنی ذاتی زندگی، معاشی سرگرمیوں، سماجی روابط اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی فیصلہ سازی میں بھی اللہ کے احکامات پر عمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ زندگی میں وحدانیت یا عمل میں توحید ایک ایسی خوبی اور قدر ہے جو خاص زمان و مکان یا افراد تک محدود نہیں ہے۔

مثال کے طور پر اگر کنفیوشس کی تعلیمات کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کنفیوشسزم (جس کا بانی کنفیوشس، ۵۵۱-۴۷۹ قبل مسیح، تھا) میں نیک انسان (Chuntzu) بننے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ نیک انسان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ کئی خوبیوں کا حامل ہو مثلاً انسانیت، رحم دلی، مہربانی یا (Jen) مزید یہ کہ حق پرستی یا (Yi)، بزرگوں اور خاندان سے وفاداری یا (Xiao) کو اپنائے گا اور بہترین انداز میں اخلاقی اصول وضوابط اور مذہبی رسومات (Li) پر عمل پیرا ہوگا۔

انسانی ہمدردی (Jen) اور حق پرستی (Yi) مل کر ایک ایسے انسان کی تشکیل کرتی ہیں جس کا اخلاق بہت بلند ہو۔ ۵ کنفیوشسزم میں نیکی اور انسانی ہمدردی کسی دنیاوی مقصد کے حصول کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہیں۔نیکی صرف نیکی کی خاطر ہونی چاہیے۔اسی تصور کی جھلک ہمیں جرمن مفکر کانت(Kante) کے فرائضی اخلاقیات (Catagorical Imperative) میں نظر آتی ہے یعنی اخلاقیات کو ایک قانونی فرض جان کران پر عمل پیرا ہونا۔کنفیوشسزم اخلاقی اضافیت (Ethical Relativism) کو تسلیم نہیں کرتا۔ بالفاظ دیگر اخلاقی رویہ اور نیک انسان سے مراد ہے''با اصول اخلاقیات پر عمل پیرا ہونا''۔

کنفیوشس کی اصطلاح Li کا ترجمہ عموماً ''مذہبی رسم'' یا ''قربانی'' سے کیا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے مراد محض رسمی اور لگے بندھے انداز میں کوئی رسم ادا کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔کہا جاتا ہے کہ کنفیوشس نے اپنے ایک شاگرد کو جواب دیتے ہوئے کہا ''جنازوں اور غم کے مواقع پر، بہتر ہوگا کہ غم گسار حقیقی دُکھ محسوس کریں تاکہ وہ رسم کی ادائیگی میں ہر ممکن طریقے سے درست طرزِ عمل کا مظاہرہ کریں''۔ ۶ اخلاقیات پر عمل پیرا ہونا کنفیوشسزم کی ایک نمایاں خوبی نظر آتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کی اہمیت کا احساس اور اچھے اخلاقی طور طریق کا وجود ایک عالمگیر معاملہ ہے۔

چنانچہ اسلام کے تصور حیات میں، اچھی عادات اور اخلاقی رویے (تقویٰ، عملِ صالح)، معروف یا تسلیم شدہ بھلائی کے رویے اور برّ یا نیک عمل کرنا فرض کا مقام رکھتا ہے۔عقلی رویہ پر مبنی اخلاقی فیصلہ نہ صرف انسان کے اپنے خالق کے ساتھ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھی معاملات کرنے اور ان کے ساتھ ارتباط و معاملات کرنے کی بنیاد ہے۔ ہر انسانی عمل کی بنیاد 'معروف' اور 'تقویٰ' پر ہونی چاہیے جو کہ زندگی میں وحدانیت یا توحید کا مظہر ہے۔انسان نہ تو معاشی حیوان ہے نہ ہی سماجی جانور بلکہ ایک اخلاقی وجود کا نام ہے۔ پہلے انسانی جوڑے کی پیدائش سے قبل اللہ نے فرشتوں کو خبر دی کہ وہ زمین پر اپنا خلیفہ، قائمقام یا نائب بنانے جا رہا ہے۔اللہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ ''سماجی جانور'' یا ''معاشی انسان'' یا ''ظل اللہ فی الارض'' یا ''خواہشات کا بندہ'' پیدا کرنے جا رہا ہے۔فکری اعتبار سے خلیفہ سے مراد ایسا شخص ہے جو اخلاقی طرزِ عمل اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرے۔ لہٰذا قرآن کی روشنی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی اصل ایک اخلاقی وجود ہے۔

زندگی میں توحید کا قیام، اسلام پر ایمان لانے کے لیے پہلی شرط ہے اور یہ وہ اصول ہے جس کا اطلاق عالمگیر طور پر ہوتا ہے۔ نہ صرف ایک مسلمان کے لیے بلکہ بدھ مت، کنفیوشیسن، عیسائی، ہندومت کے پیروکار کے لیے بھی عقلی طور پر ضروری ہے کہ وہ خود کو معاملات اور رویوں میں تضاد سے آزاد کرے، اسی شکل میں وہ ایک متوازن زندگی گزار سکتا ہے۔ خاص طور پر مسلمان کے لیے یکساں اخلاقی معیار پر عمل کرنا ایمان اور عقیدے کا اولین تقاضا ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مستند حدیث میں بیان ہوا ہے:

> ''حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک (سچا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی یا ہمسائے کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔ ۷

قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر عمل، رویے اور معاملات میں وحدانیت کو اخلاقی رویے کی چابی گردانا گیا ہے۔

> ''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کی نگاہ میں یہ بہت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ بات کہو جس کو تم کرتے نہیں''۔ ۸

زندگی میں اخلاقی معیار کی یکسانیت اور دوہرے اخلاقی رویہ سے مکمل طور پر اجتناب توحید کا پہلا مطالبہ ہے یہ بطور بنیادی اسلامی تعلیم، شریعت کے مقاصد (مقاصد الشریعۃ) کی بھی بنیاد ہے۔ چونکہ زندگی میں یکجہتی کا مطلب ہے کہ اخلاق وکردار کے دوہرے معیار کا خاتمہ اور یک رنگ شخصیت کی تعمیر۔ لہٰذا اس اصول کی عملی افادیت اور تطبیق صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ شریعت کے مقاصد تمام انسانیت ہی کے مقاصد ہیں لہٰذا حقیقی معنوں میں عالمگیر ہیں۔ قرآن پوری انسانیت کو یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ انسانی رویوں اور معاملات کا بغور مطالعہ کرے اور توحید پر عمل پیرا ہو کر انسانی وسماجی رویوں میں یک رنگی، توازن، ربط اور حسنِ ترتیب پیدا کرے۔ یہ اصول قبائل عرب یا صرف اہلِ مکہ کے لیے نہیں تھا۔ نبی کریمؐ پر اس بات کی وحی کی گئی کہ رب یا سارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں کو پالنے والا صرف اور صرف اللہ ہے اس لیے صرف اس کو ہی انسانیت کا اعلیٰ وارفع خالق سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح اسلامی قانون کا ماخذ عرب رسوم ورواج نہیں تھے جنھیں ضابطے کی شکل دے دی گئی ہو اور اس طرح تمام انسانوں کو Arabize کرنے کی کوشش کی گئی ہو بلکہ قرآن کریم نے تمام عربوں اور عجمیوں اور دیگر انسانوں کو Islamize کیا اور اسلام کے آفاقی ہونے کے سبب تمام انسانی تفریقوں کو ختم کر کے ایک عالمگیر اخلاقی نظام کے ذریعے انسانی برادری کو توحید، وحدانیت اور یک رنگی کا خوگر بنا دیا۔

ہمہ گیر عدل

دوسرا بنیادی اخلاقی اصول اور شریعت کا ایک اہم مقصد عدل، اعتدال اور زندگی میں حسن و توازن پیدا کرنا ہے۔ عدل اللہ کی نمایاں صفات میں سے ایک صفت ہے کیونکہ وہ اپنی مخلوق کے لیے سب سے زیادہ عادل، منصف اور مہربان ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اصول (عدل) کائنات میں، نباتات، حیوانات، سمندر کی دنیا اور مجموعی طور پر انسانیت میں کارفرما نظر آتا ہے۔ قرآن پاک اس اصول کے متعلق انسان کی نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''اے انسان، کس چیز نے تجھے اپنے ربِ کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ وہ جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نِک سُک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا''۔[9]

اسلام کی نظر میں اخلاقی طرزِ عمل اور نیک رویہ (تقویٰ) براہِ راست 'عدل' سے تعلق رکھتے ہیں:

> ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔[10]

عدل ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس میں اچھے اور اخلاقی رویے میں مہارت حاصل کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انہیں پروان چڑھانا بھی شامل ہے:

''اللہ عدل اور احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو''۔ !!

اگرچہ عام طور پر عدل سے مراد ایک انسان کا قانونی حق لیا جاتا ہے لیکن اس کا اطلاق بہت وسیع ہے۔ ذاتی سطح پر اس کا مطلب ہے کہ معتدل اور متوازن رویہ اپنا کر اپنے آپ سے انصاف کیا جائے۔ اس لیے اگر ایک شخص زیادہ سوتا ہے یا بالکل ہی نہیں سوتا، روحانی طاقت بڑھانے یا وزن کم کرنے کے لیے فاقہ کشی کرتا ہے یا اس کے برعکس کھاتا ہی چلا جاتا ہے اور وزن بڑھائے جاتا ہے تو دونوں صورتوں میں وہ اپنے ساتھ ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ عدل پر خاندان کی سطح پر بھی عمل کیا جانا چاہیے۔ نبی کریمؐ کی حدیث صراحت کرتی ہے کہ ایک انسان کے جسم کا اس پر حق ہے اسی طرح بیوی کا بھی اس پر حق ہے۔ جو شخص گھر والوں کے لیے رحمدل، محبت کرنے والا، خیال رکھنے والا اور مہربان ہے اسے نبی کریمؐ نے سچا مسلمان گردانا ہے۔ عدل ہی کو ایک معاشرے کی بنیاد ہونا چاہیے۔ ایک انسانی معاشرہ کم خوراک کے ساتھ تو قائم رہ سکتا ہے لیکن کوئی بھی معاشرہ عدل و انصاف کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ معاشی معاملات میں عدل کا مطلب ہے کہ زیادتی، استحصال اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے آزاد ایک عادلانہ معاشی نظام۔

اسی طرح عدل کا تقاضا یہ بھی ہے کہ سیاسی آزادی حاصل ہو اور معاشرہ کے ہر صاحبِ رائے فرد کو کسی سے متفق ہونے، اختلاف رائے کا حق رکھنے، تنقید کرنے اور عوامی عہدوں کے لیے مناسب ترین شخص کو منتخب کرنے کا حق ہو۔ اگر ایک سیاسی نظام آزادیٔ اظہار، اختلاف رائے کا احترام کرنے اور حقوق انسانی پر عمل پیرا ہونے کے حقوق مہیا نہیں کرتا تو اسے عادلانہ سیاسی نظام نہیں کہا جا سکتا۔ سرمایہ دارانہ نظام کو، اس کی جارحانہ نوعیت کی وجہ سے ایک عادل نظام نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک یہ مزدور کو اس کا جائز حق نہیں دیتا، یہ ایک ظالم نظام ہی رہے گا۔

صحت اور علاج کے حوالہ سے عدل کا مطلب ہے کہ اپنے شعبہ اور تخصص کے میدان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشہ ورانہ مہارت حاصل کی جائے۔ آسان الفاظ میں عدل کا مطلب ہے کسی کام کو بہترین طریقہ سے انجام دینا۔ اس سے مراد ہے کہ مریض کے مرض کو سمجھنے اور ممکنہ بہترین علاج کرنے پر پوری توجہ مرکوز کی جائے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ کم ترین مالی بوجھ ڈال کر معیاری دوا تجویز کی جائے۔ غیر ضروری لیبارٹری ٹیسٹوں اور مہنگی ادویات تجویز نہ کی جائیں جب کہ نسبتاً سستی دوائیں بھی وہی کام کر سکتی ہوں۔ اگر کسی ایک بھی میدان میں مناسب توجہ نہ دی جائے تو یہ عدل کی راہ سے انحراف ہوگا۔

زندگی کا احترام

تیسرا اہم اور عالمگیر اخلاقی اصول اور شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد زندگی کا احترام، تحفظ اور تسلسل ہے۔ اس اصول میں بھی تمام انسانیت کے لیے نجات کا پیغام ہے۔ یہ اصول براہِ راست قرآنی ہدایت سے لیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک انسانی جان کو بچانا پوری انسانیت کو بچانے کے مترادف ہے اور ناانصافی کے ساتھ کوئی ایک جان بھی لینا پوری انسانیت کو مارنے کے مترادف ہے۔[۱۲] یہ قرآنی حکم ہر اہلِ ایمان پر یہ فرض کر دیتا ہے کہ وہ زندگی کو نقصان پہنچانے یا مارنے سے گریز کرے سوائے اس کے کہ یہ جان کے بدلے میں ہو یا معاشرے میں لاقانونیت پھیلانے کی سزا ہو۔[۱۳]

چونکہ قرآن میں لفظ 'نفس' استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے جان یا روح یعنی ایک انسان لہٰذا یہ حکم بھی صرف مسلمانوں یا کسی خاص عقیدے، مذہب اور فرقے تک محدود نہیں کہا جا سکتا۔ کسی فرد یا انسانوں کے گروہ کی، نہ تو جان لی جا سکتی ہے اور نہ اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ کوئی اخلاقی و قانونی جواز ہو۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ زندگی اپنے ابتدائی مراحل میں بھی قابلِ احترام اور قیمتی ہے۔ ایک جنین کی بھی اتنی ہی حرمت ہے جتنی کہ ایک مکمل انسان کی۔ لہٰذا ہر اس خطرہ سے بچنا ضروری ہے جس سے جنین کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، اور زندگی کی قدر کم نہ ہو۔ مثلاً اگر ایک خاتون دورانِ حمل نشہ آور مشروبات یا ادویات کا استعمال کرتی ہے یا سگریٹ نوشی کرتی ہے تو طبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقطۂ نگاہ سے یہ تمام چیزیں جنین کو نقصان پہنچاتی ہیں اور پیدا ہونے والے بچے کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لیے ان کا کرنا عدل کے منافی ہوگا۔

صرف اسی پر بس نہیں بلکہ یہ اصول ماحولیاتی پالیسیوں کے لیے بھی اہم ہدایات دیتا ہے۔ یہ دوائیوں کے بنانے اور پیداوار سے بھی براہِ راست متعلق ہے۔ اگر دوا سازی کرتے وقت ان کے معیار کو برقرار نہ رکھا جائے تو یہ لازماً انسانی زندگی کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

یہ اصول آبادی کے متعلق عوامی پالیسی سے بھی متعلق ہے۔ یہ ریاست کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ ایک شخص کی آرام گاہ میں مداخلت کرے اور بچوں کی پیدائش پر پابندی عائد کرے یا اسقاطِ حمل کی اجازت دے۔

معیارِ زندگی کے حوالہ سے عدل کی روشنی میں یہ وہ پہلو ہیں جو روزانہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عدل اپنی عالمگیریت کی بنا پر دنیا میں بسنے والے ہر فرد کے لیے یکساں اہمیت رکھتا ہے اور اسے صرف مسلمانوں سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔

منطقی اور عقلی رویہ

چوتھا بنیادی اخلاقی اصول انسانی فیصلہ سازی میں منطق اور عقلی فیصلے سے متعلق ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کو فیصلے عقل اور مشاہدے کی بنیاد پر کرنے چاہئیں اور جذباتی رویے، اندھی خواہشات کی پیروی سے بالاتر ہونا چاہیے یہ شریعت کا اہم مقصد ہے۔ نتیجتاً اسلام فیصلہ سازی کی آزادی پر قدغن لگانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ اگر ایک انسان نشہ آور ادویات کا عادی ہو جاتا ہے یا نشہ آور اشیاء بہت زیادہ استعمال کرنے لگتا ہے تو ان کے استعمال سے اس کے ذاتی اور سماجی تعلقات، قوتِ ارادہ کی آزادی اور اس کے ساتھ ساتھ اس شخص کی اخلاقی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ اسلام میں منطق پر انحصار کرنا اور عقلیت کی بنیاد پر فیصلہ کرنا تمام طرح کے قانونی معاملات کے لیے بنیادی شرط ہے۔ نشہ آور اشیاء کے استعمال کو قرآن غیر اخلاقی (فحش) گردانتا ہے۔ یہ نہ صرف گناہ ہے بلکہ قانونی طور پر جرم بھی ہے۔ جدید طبی تحقیقات بھی لوگوں کی ذہنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحت پر، بلاتفریق رنگ ونسل ومذہب، نشہ آور اشیاء کے مضر اثرات کی تصدیق کرتی ہیں۔ تاہم اسلام کا منطقی اور عقلی رویے پر اصرار، نہ صرف نجی بلکہ سماجی زندگی میں اور وہ بھی، صرف مسلمانوں کے لیے خاص نہیں ہے۔ اس کی عالمگیر اخلاقی قدروں کی افادیت عالمگیر سطح پر تمام انسانوں کے لیے ہے۔

تحفظِ نسل

پانچواں اصول، نسل کے تحفظ اور سلسلۂ نسب کے احترام کا ہے اور اس کا تعلق بھی پوری دنیا کے انسانوں سے ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب، نسل، رنگ یا زبان سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ نسبی شناخت اور سلسلۂ نسب کے تحفظ کو ایک قانونی شکل دے دیتا ہے۔ اسلام کا سماجی اور قانونی نظام، دونوں جنسوں (مرد وعورت) کے آزادانہ اختلاط اور شادی سے قبل باہمی جنسی تعلقات کو نہ صرف غیر اخلاقی بلکہ غیر قانونی بھی سمجھتا ہے۔ ہیلتھ سائنس، سماجی پالیسی اور قانونی نظام کے لیے یہ اصول غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ عالمگیر اخلاقی اصول ایک انسان کو انسانی جین کے تجارتی استعمال اور اجنبی کے جین کے اختلاط سے منع کرتا ہے۔ یہ اصول انسانی معاشرے میں بلند اخلاقی معیار قائم رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ جین کے گمنام یا نامعلوم ہونے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور نسبی سلسلے کو محفوظ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس اخلاقی اصول پر عمل کرنے سے وہ معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں رشتوں کا احترام پایا جائے اور احترامِ انسانیت کی بنا پر تجارتی انداز میں انسانوں کو پیدا نہ کیا جائے۔ آج کے علم طب میں (Surrogate mother) کا تصور پایا جاتا ہے یہ اصول اس کی ممانعت کرتا ہے۔

اسلامی شریعت کے مقاصد کا یہ محدود جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ عالمگیر اصول مہذب معاشرے کے اچھے اور اخلاقی طرزِ عمل کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے اور ہر دور اور ہر مقام پر اس کا اطلاق یکساں اخلاقی نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسلام کے اخلاقی قوانین کے اس خلاصے کا مقصد اولین طور پر اس تاثر کو زائل کرنا ہے کہ اسلامی اخلاقیات صرف مسلمانوں تک محدود ہیں، دوم ان اقدار کے مقاصد اور اصل کو خدائی ہدایت کی روشنی میں سمجھنا اور سوم یہ جاننا کہ موجودہ دنیا میں یہ کس حد تک قابلِ عمل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ شریعت کے اصول اور مقاصد عملی اعتبار سے انسانیت کے مقاصد ہیں۔ انسان کی بہت سی حیاتیاتی، جذباتی، عقلی اور سماجی ضرورتوں کو مغرب کی سماجی سائنس، اندھی خواہشات، جبلت اور حیوانی جذبات سے تعبیر کرتی ہے۔ اسلام کے اخلاقی اصول منطقی اور عقلی فیصلے اور نام نہاد اندھی خواہشات کی بنیاد پر کیے گئے فیصلوں میں واضح فرق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ انسانی اعمال بظاہر تو ایک جیسے ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ایک دوسرے سے کوسوں دور بھی ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک شخص کوئی صنعت قائم کرنے کے لیے بنک سے باہم متفقہ شرح سود پر قرض لے۔ ایک دوسرا شخص بھی بنک سے نفع میں شراکت کے اسلامی اخلاقی اصول کی بنیاد پر قرض لے جس میں سُود کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ دونوں صنعتی قرضے ہی دکھائی دیتے ہیں لیکن ایک سرمایہ داری کے استحصالی نظام کی مدد کرتا ہے جب کہ دوسرا سُود یا سُود خوری میں پڑے بغیر، جو کہ اسلام میں مکمل طور پر منع ہے، تجارتی اور صنعتی فروغ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اخلاقی قوانین کا جواز

اختتام سے قبل مناسب ہوگا کہ اسلامی اخلاقی اصولوں کے جواز کے متعلق چند باتیں کر لی جائیں۔ یہ سوال کیا جا سکتا ہے:

کیا ان اصولوں کا جواز روایتی عملی تسلسل اور رواج پر ہے یا یہ اصول اپنے نفاذ کے لیے قوت اور اختیار کا جواز کہیں اور سے حاصل کرتے ہیں؟

زندگی کے تمام پہلوؤں میں اخلاقی رویہ اپنانا اسلام کی ایک بنیادی فکر ہے۔ اسلام کسی بھی معاملہ میں اخلاقی فیصلے کو ذاتی پسند و ناپسند یا لوگوں کی اکثریت کی تسکین یا خوشی پر نہیں چھوڑتا اگرچہ شریعت کا ایک اصول مصلحۃ عامۃ یا معاشرہ میں بسنے والوں کا مفاد ہے لیکن یہ مفاد اور منفعت بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے واقع ہوتا ہے۔ ایک غیر اسلامی معاشرہ میں جہاں لڑکوں کی کثرت اور لڑکیوں کی قلت ہو اگر عوامی مصلحت یہ سمجھ لی جائے کہ کئی مرد ایک خاتون سے رشتہ قائم کر لیں تو ایسا کرنا نہ صرف اسلامی شریعت بلکہ عالمی اخلاقی اقدار سے صریح بغاوت ہوگی، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے مصلحت عامہ بھی اخلاقی اصولوں کی تابع ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر میں اقدار کی اصل اور جواز الہامی ہدایت (وحی) میں موجود ہے۔ وحی یا اللہ کے کلام کو انفرادی وجدانی کیفیت کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے جو ایک غیر معروضی (Subjective) کیفیت اور تجربہ ہے۔

وحی یا اللہ کا کلام ایک ایسا علم ہے جو کہیں اور سے آتا ہے اس لیے یہ غیر معروضی نہیں بلکہ معروضی (Objective) ہے۔ اللہ کے الفاظ ہونے کی وجہ سے یہ زمان و مکان کی قیود سے ماورا ہے۔ اگرچہ یہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، یہ تمام انسانیت (الناس) کو مخاطب کرتا ہے۔ یہ محض اتفاقیہ طور پر عربی زبان کو استعمال کرتا ہے کیونکہ اس سے ابلاغ میں آسانی ہوتی ہے۔ عربی زبان میں وحی بھیجنے کا مقصد عربوں کو مسلمان بنانا تھا نہ کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کو عرب بنا ڈالنا۔

اسلامی اقدار اپنی فطرت کے اعتبار سے عالمگیر ہیں اور ان کا اطلاق عالمگیر طور پر کسی بھی دور میں کسی بھی مقام پر اور کسی بھی نسلِ انسانی پر کیا جاسکتا ہے۔ ان اخلاقی اقدار میں سے کسی ایک کی بھی جڑیں مقامی یا عرب رسم و رواج میں نہیں ہیں۔ یہ مخصوص یا عارضی اقدار نہیں ہیں جو عموماً وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ عالمگیر اقدار ہیں جن کی جڑیں الہامی اور عالمگیریت پر مبنی وحی میں پیوست ہیں۔ عدل کا اصول جس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے، کسی خاص نسل، رنگ، گروہ یا خاص علاقے اور تاریخ کے کسی خاص دور سے متعلق نہیں ہے۔ زندگی کا احترام اور تسلسل بھی ایک عالمگیر قدر ہے۔ اسی طرح دیانتداری، اخلاص نیت اور حقوق، سچائی نہ تو مشرقی ہیں اور نہ مغربی یہ عالمگیر طور پر جانی پہچانی اور اطلاقی اقدار ہیں۔

ان عالمگیر اسلامی اقدار کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسان زندگی کے متعلق ایک ذمہ دارانہ نقطۂ نظر اپنائیں۔ زندگی کو کھیل تماشا سمجھنا بہت بنیادی غلطی ہے۔ زندگی بامقصد ہے۔ اس کے لیے اخلاقیات کا ہونا لازمی شرط ہے جس کے مطابق اس کو گزارا جائے، ترتیب دیا جائے اور اسے منظم کیا جائے۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ انسان کی زندگی کو ایک مکمل شکل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھتا ہے۔ یہ زندگی میں کاملیت اور یکجائیت کی وکالت کرتا ہے اور اسے مختلف خانوں میں تقسیم کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینے سے بچاتا ہے۔ زندگی میں توحید یا وحدانیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ذاتی و اجتماعی زندگی میں ایک ہی معیار پر عمل کیا جائے اور تمام انسانی اعمال کا محرک واحد مقصد ہو یعنی اخلاقی اور ذمہ دارانہ زندگی گزار کر کس طرح اللہ کی رضا حاصل کی جائے۔

اسلامی اخلاقیات کا خلاصہ محض دو نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے روزِ آخرت اور اس کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں احتساب کے مکمل احساس کے ساتھ ایک بااخلاق زندگی گزار کر خالق کے حقوق کو ادا کیا جانا۔ دوسرا یہ کہ، دوسرے انسانوں کے جو حقوق ہم پر بطور فرض عائد ہوتے ہیں انہیں محض اللہ کی رضا جوئی کی خاطر ادا کیا جانا نہ کہ کسی انعام، تعریف یا معاوضے کی خاطر۔ انسانیت کی خدمت انسانیت کی خاطر ایک اچھا مقصد ہو سکتا ہے لیکن جو چیز انسانیت کی خدمت کو عبادت کا درجہ دیتی ہے وہ کسی دنیاوی اعتراف یا زبردست انعام کی پروا کیے بغیر اللہ کے بندوں کی خدمت اللہ کی خوشی کی خاطر کرنا ہے۔

عملی اعتبار سے اسلامی اخلاق ایک انسان کی پیشہ ورانہ زندگی کو متوازن، ذمہ دارانہ، زود فہم اور معاملات میں پیش قدمی کرنے والا بنانے میں مدد کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا مختصراً بیان کی گئیں اسلامی اخلاقی اقدار، ہر اُس شخص کو، جو ان پر ان کی صحیح رُوح کے ساتھ عمل کرے، ایک عالمگیر شہری بنا دیتی ہیں جو رنگ، نسل، زبان اور مذہب کی تفریق سے بلند تر ہوتا ہے۔ اسلام پوری انسانیت کو یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ ایک ذمہ دار، منظم اور لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے والا معاشرہ بنانے کے لیے اخلاقی عمل اور زندگی کا راستہ اپنائے۔ قرآن میں مسلمان معاشرے کو اخلاقی اعتبار سے متحرک افراد (خیر الامۃ) یا درمیانی راہ اپنانے والے لوگ (امۃً وسطۃ) کہا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو توازن اور تناسب کی راہ سے نہیں ہٹتے اور خیر یا معروف کو نافذ کرتے ہیں۔

اخلاقی طور پر ذمہ دارانہ رویہ سے مراد ایسا رویہ ہے جو عالمگیر اخلاقی اقدار و قوانین کی پیروی کرے اور تمام ایسے وسوسوں اور مغالطوں سے محفوظ رہ سکے جو معصیت اور گمراہی کی طرف لے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانے والے ہوں۔ سادہ الفاظ میں کردار کی مضبوطی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان اصولوں پر سختی سے عمل پیرا ہو جن پر یقین رکھنے کا وہ دعویدار ہے۔ چنانچہ اسلام کے اخلاقی پیشہ ورانہ اصول ایک پیشہ ور انسان کی ان تمام معاملات میں رہنمائی کرتے ہیں جہاں کوئی اخلاقی حکم نافذ کیا جا سکتا ہے خواہ وہ علاج معالجہ ہو، کاروباری معاملات ہوں یا انتظامی مسائل۔

تطبیقی اعتبار سے اسلامی اخلاقیات نہ صرف رسمی طور پر معروف سماجی کاموں کا بلکہ عملاً ہر اس کام کا جو ایک انسان معاشرے میں سرانجام دے سکتا ہے، احاطہ کرتے ہیں۔ اسلام کے پیشہ ورانہ یا کام سے متعلق اخلاقیات محض گاہک کے اطمینان تک محدود نہیں ہیں۔ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک مومن کو نہ صرف نجی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سماجی، مالی، سیاسی اور ثقافتی معاملات میں بھی اخلاقی رویہ اپنانا چاہیے۔ زمان و مکان کی تبدیلی سے اخلاقی معیار اور رویوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اخلاقی فرض کے طور پر ہر کام میں عمدہ معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ممتاز مقام حاصل کرنا قرآن کا ایک اہم موضوع ہے۔ بہترین طرز عمل اور quality کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کے بنیادی اصول کو قرآنِ پاک میں مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔

"صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں (حقوق) کم نہ دو۔" ۱۴

اس بات کی مزید وضاحت بھی کی گئی ہے قرآن ہدایت کرتا ہے کہ سامان یا اشیاء دیتے وقت ایک شخص کو دوہرا معیار نہیں اپنانا چاہیے:

> "تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پُورا پُورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں کم دیتے ہیں۔" ۱۵

مثال کے طور پر ایک معالج یا طبیب جب بطور مشورہ فیس اپنا معاوضہ وصول کرتا ہے تو یہ اس کا، خواہ مرد ہو یا عورت، اخلاقی فرض ہے کہ وہ مریض کو پوری ذمہ داری، احتیاط اور اللہ کے سامنے جواب دہی کے احساس کے ساتھ معائنہ اور تحقیق کی بنا پر طبی مشورہ دے۔ یہی بات ایک استاد پر بھی لاگو ہوتی ہے اُسے چاہیے کہ وہ پوری دیانت داری، فرض شناسی اور سچائی کو چھپائے یا حقائق کو مسخ کیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر پورے اخلاص سے علم کی روشنی پھیلائے۔ اسی طرح یہ شاگردوں اور محققین کا بھی فرض ہے کہ وہ علم اور سچائی کو حاصل کرنے، علم کو پھیلانے میں اپنی پوری کوشش صرف کردیں اور تحقیق کے دوران چربہ سازی یا ناجائز ذرائع استعمال نہ کریں۔

اسلام کے فراہم کردہ عالمگیر اخلاقی پیمانے، اصول اور قواعد نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ ہر انسان کو اعلیٰ اخلاقی طرزِ عمل اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ اصول شریعت کے احکام کو ہر انسان کے لیے کامیابی کا ذریعہ بناتے ہیں اور اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہیں کہ اسلام مسلمانوں کا اجارہ ہے۔ اسلام تمام انسانیت کی امانت ہے اور مسلمان صرف اس امانت کے امین ہونے کی بنا پر اس منصب پر فائز کیے گئے ہیں کہ وہ انتہائی آسان وسادہ اور براہ راست طریقے سے ان تعلیمات کو تمام انسانوں تک پہنچانے کے فریضہ کو سرانجام دیں۔

اللہ کی جانب سے بتائے گئے اخلاقی اصول انسانی ذہن اور تجربے کی محدودیت سے کہیں برتر ہیں۔ وہ اصلاً مقامی، علاقائی یا قومی نہیں ہیں اور نہ ہی کسی خاص طبقے کے لیے ہیں۔ ان کی آفاقیت ان کو عالمگیر طور پر قابلِ عمل، کامل اور بدلتے ہوئے حالات وواقعات میں عملی بناتی ہے۔ وہ انسان دوست ہیں لیکن انسانی ذہن کی اختراع کا نتیجہ نہیں ہیں، یہ عالمگیریت کے اس دور میں انسانی مسائل کو قابلِ عمل حل فراہم کرتے ہیں۔

(ترجمہ: منزہ صدیقی)

..................حواشی..................

1. P. Ley, "Phobia" in H.J. Eysenck, et al, Editor Encyclopedia of Psychology, Vol III, New York, The Seabury Press, 1972, P.7.

2. Edward W. said, Covering Islam, How Media and the Experts Determine How we see the rest of the world, New York, Panthoos Book, 1981, P.7.

3. Reese, William. Dictionary of Philosophy and Religion Eastern and Western Thought. New Jersey: Huamanties Press, 1980, 156.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ ایضاً،۱۵۶

5. Yu-Lan, Fung. The Spirit of Chinese Philosophy. Boston: Beacon Press, 1947, 10-12.

6. Creel, H.G. Chinese Thought from Confucious to Mao Tse-tung. Chicago: University of Chicago Press, 1953, 33.

۷۔ صحیح مسلم، حصہ اول، حدیث نمبر۲۷

۸۔ الصّف:۶۱:۲-۳

۹۔ الانفطار:۸۲:۶-۷

۱۰۔ المائدہ:۵:۸

۱۱۔ النحل:۱۶:۹۰

۱۲۔ ......"جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی....." (المائدہ:۵:۳۲)

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ الشعراء:۲۶:۱۸۲-۱۸۳

۱۵۔ المطففین:۸۳:۱-۳

© rasailojaraid.com